شاہ محمد جعفر پھلواروی

خلع

اسلام جس طرح شوہر کو طلاق دینے کا حق دیتا ہے اسی طرح عورت کو طلاق حاصل کرنے کا بھی حق دیتا ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے،

وان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت به

(٢: ٢٢٩)

اور اگر تمھیں یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (زوجین) حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان پر کوئی گناہ نہیں اس میں جو عورت فدیہ دے کر اپنی جان چھڑا لے۔

حدیث میں آیا ہے،

ان امرأة ثابت بن قیس بن شماس اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ ثابت بن قیس ما اعتب علیہ فی خلق ولا دین ولکن اکرہ الکفر فی الاسلام فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ قالت نعم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقة وطلقها تطلیقة (بخاری جلد ٢ صفحات ٧٩٤ اور ٧٩٥)

اور (نسائی جلد ا صفحہ ٨٩ عن ابن عباس)

ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی (جمیلہ بنت عبداللہ بن ابی) نے حضور ؐ کے پاس آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ثابت بن قیس سے مجھے کوئی اخلاقی یا دینی شکایت

نہیں مگر میں اسلام میں داخل ہونے کے بعد کفر سے ڈرتی ہوں (یعنی منافقانہ محبت کی زندگی گزارنا نہیں چاہتی) حضورؐ نے پوچھا کیا تم اس کا باغ (جو مہر میں دیا گیا ہے) اسے واپس کر دوگی۔ اس نے کہا "ہاں" حضورؐ نے (ثابت سے) فرمایا کہ یہ باغ قبول کر لو اور اسے ایک طلاق دیدو۔

اگر شوہر اپنی خواہش سے طلاق دے تو وہ جو کچھ عورت کو دے چکا ہے اس سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن اگر عورت کے مطالبے پر شوہر طلاق دے تو عورت کو معاوضہ پیش کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو فقہی اصطلاح میں خلع کہتے ہیں گویا ایسی طلاق کو خلع کہتے ہیں جو عورت معاوضہ دے کر اپنے شوہر سے حاصل کرتی ہے۔

جس طرح باہمی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی یا معافی ہو سکتی ہے (جس کا ذکر طلاق کے بیان میں ہو چکا ہے) اسی طرح معاوضۂ طلاق میں بھی ہو سکتا ہے۔ عورت اگر سارا مال واپس کرے تو خلع ہے، کم دے تو صلح ہے۔ زیادہ ادا کرے تو فدیہ ہے اور اگر تمام حقوق کو (جو شوہر پر عائد ہوتے ہیں) معاف کر دے تو مبارات ہے جیسا کہ بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۲۲ کی اس عبارت سے واضح ہے:

ان اسم الخلع یختص ببذل لها له جمیع ما اعطاها والصلح ببعضه والفدیة باکثره والمبارات باسقاطها عنه حقا لها علیه۔

جو کچھ شوہر نے دیا ہو وہ سب دے دینے کے لیے خلع کا لفظ مخصوص ہے۔ صلح کا تعلق بعض حصے اور فدیہ کا اکثر حصے سے ہے، اور اس کا جو حق شوہر پر عائد ہوتا ہے اسے ساقط کر دینا مبارات ہے۔

یہ فقہی اصطلاحات ہیں جو عقل کے مطابق ہیں اگرچہ احادیث میں صرف خلع کا پتہ چلتا ہے۔ واضح رہے کہ خلع میں صرف ایک طلاق دی جاتی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا

روایت سے ظاہر ہے ۔ جمہور فقہاء اسے طلاق بائن قرار دیتے ہیں[۱] اور ہمارے نزدیک یہی درست ہے ۔ لہذا خلع کے بعد طلاق بائن کے اثرات مرتب ہوں گے یعنی اسی وقت رشتۂ زوجیت ختم ہو جائے گا[۲] دوران عدت شوہر رجوع نہیں کر سکتا[۳]، اور عورت عدت سے پہلے کوئی دوسرا شوہر نہیں کر سکتی ہے[۴]۔ دوران عدت یا بعد عدت باہمی رضامندی سے تجدید نکاح ہو سکتی ہے[۵]۔ عدت کے دوران نفقہ و سکنیٰ شوہر کے ذمے ہوں گے[۶]۔

---

۱ تا ۳ وجمهور من رای انه طلاق یجعله بائنا لانه لو کان للزوج فی العدة منه الرجعة علیها لم یکن لافتدائها معنی (بدایة المجتهد جلد ۲ صفحہ ۶۹) (خلع کو طلاق ماننے والے جمہور اسے طلاق بائن قرار دیتے ہیں کیونکہ اگر شوہر کے لیے دوران عدت رجوع کا اختیار باقی رہے تو عورت کا فدیہ ادا کرنا بے معنی ہوتا ہے)۔

۴ ولا تعزموا عقدة النکاح حتی یبلغ (الکتاب اجل (۲: ۲۳۵) (جب تک عدت پوری نہ ہو تب تک نکاح کی گرہ نہ باندھو)

۵ (ا) اذا طلقتم النساء فبلغن اجلهن فلا تعضلوهن ان ینکحن ازواجهن اذا تراضوا بینهم بالمعروف (جب تم عورتوں کو طلاق دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو اپنے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو جب کہ وہ دستور کے مطابق باہم رضامند ہو جائیں)

(ب) ان الجمهور اجمعوا علی ان له ان یتزوجها برضاها فی عدتها (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۷۰) (جمہور کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مختلعہ کی رضامندی سے شوہر دوران عدت بھی نکاح کر سکتا ہے)

۶ والمطلقة الرجعی والبائن ..... النفقة والسکنی (شرح وقایہ جلد ۲ صفحات ۱۶۸ اور ۱۶۹) (رجعی اور بائنہ مطلقہ کے لیے نفقہ و سکنیٰ ہے)۔

جیسا کہ طلاق کے بیان میں گزر چکا ہے ابغض الحلال ہونے کی وجہ سے طلاق کے راستے میں کئی رکاوٹیں ڈالی گئی ہیں اسی طرح کی رکاوٹوں کا کتاب وسنت میں سراغ ملتا ہے لیکن چونکہ خلع بھی انتہائی ناپسندیدہ فعل[1] ہے اس کی راہ میں بھی کچھ رکاوٹیں پیدا کر دی جائیں تو اس کی کوئی ممانعت کتاب وسنت میں نہیں[2] لہذا طلاق بائن کے بیان میں جو شرطیں رکھی گئی ہیں ان کو خلع میں بھی رکھنا چاہیے۔ مثلاً،

۱۔ بعث حکمین

۲۔ اشہاد شاہدین

۳۔ دوران عدت کا نفقہ وسکنی

۴۔ دودھ پلائی کی اجرت

---

[1] (ا) المختلعات هن المنافقات (ترمذی)

(خلع کرنے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں)

(ب) ایما امرأة سألت زوجها الطلاق من غیر بأس فحرام علیها رائحة الجنة (ترمذی)

(جو عورت کسی خاص برائی کے بغیر ہی اپنے شوہر سے مطالبہ طلاق کرے اس پر جنت کی خوشبو حرام ہے)۔

[2] بعض شرائط طلاق قرآن میں ہیں مثلاً اشہاد شاہدین اور بعث حکمین لیکن سنت میں اس کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ سنت میں اگر کسی بات کا سراغ نہ ملتا ہو مگر وہ جو کتاب وسنت کی روح کے مطابق ہو تو اسکو قبول کرنے میں کوئی شرعی قباحت نہیں۔ سعید بن جبیر کی بھی یہی رائے ہے (ملاحظہ ہو احکام القرآن للجصاص جلد ۲، صفحہ ۲۳۱):

قال سعید بن جبیر فی المختلعه یعظها فان انتهت والا هجرها والا ضربها فان انتهت والا رفع امرها الی السلطان فیبعث حکما من اهله و حکما من اهلها ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۵- اخراجات حضانت

۶- تحریری تصدیق

ان سب باتوں کا ذکر طلاق کے بیان میں گزر چکا ہے۔

ایک ضروری بات

خطابی۔ طاؤس، عکرمہ۔ احمد بن حنبل۔ اسحاق۔ ابو ثور۔ ابن قیم وغیرہ اصحاب خلع کو فسخ نکاح قرار دیتے ہیں اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی کو حضورؐ نے ایک ہی حیض کی عدت کا حکم دیا لیکن جمہور فقہا اسے طلاق بائن کہتے ہیں اور اس کی عدت تین قروء بتاتے ہیں[1] ہم اسی کے حق میں رائے رکھتے ہیں۔

ایک اور ضروری بات

اگر قاضی یہ فیصلہ دے کہ مطالبہ خلع کرنے والی عورت کو اس کا شوہر طلاق دے تو شوہر انکار نہیں کر سکتا۔ اگر انکار کرے تو قاضی اسے قید کر سکتا ہے۔ اگر اس پر بھی طلاق نہ دے تو قاضی اپنے اختیارات سے ان دونوں کے درمیان تفرق پیدا کر سکتا ہے خواہ طلاق ہو یا نکاح فسخ کر کے ہو۔ قاضی کے اس اختیار کے لیے سعید بن جبیر کا قول کافی ہے[2] ایلاء لعان اور عنہ میں قاضی کا یہ اختیار بہت سے فقہاء نے تسلیم کیا ہے۔[3]

---

[1] ملاحظہ ہو "التاج الجامع للاصول جلد ۲ صفحہ ۳۸۳ کا حاشیہ۔

[2] ومن طریق حماد بن سلمة عن ایوب السختیانی عن سعید بن جبیر قال: لایکون الخلع الاحتی یعظها فان اتعظت والاضربها فان اتعظت والا ارتفعا الی السلطان فیبعث حکما من اهلها وحکما من اهله یرفع کل واحدة منهما الی السلطان ما یسمع من صاحبه فان رای ان یفرق فرق وان رای ان یجمع جمع (المحلی لابن حزم جلد ۱۰ صفحہ ۲۳۴) (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سوالات

۱۔ آیا خلع عورت کا حق ہے؟ (اگر یہ شرط قرآنی پوری ہو جائے کہ زوجین میں

(گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ)

ے ایلا کا مطلب ہے زوج کا یہ قسم کھانا کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہیں جاؤں گا۔ اس صورت میں چار ماہ کے اندر وہ اپنی قسم توڑ کر کفارۂ قسم ادا کر سکتا ہے ورنہ چار ماہ کے بعد اسے طلاق بائن ہو جائے گی لیکن یہ تفریق قاضی کرائے گا نزد امام شافعی: قال الشافعی تبین بتفریق القاضی لانه مانع حقها فی الجماع فینوب القاضی منابه فی التسریح کما فی الجب والعنة (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۱) لعان کا مطلب یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی پر ناجائز تعلق کا الزام لگاتا ہے تو قاضی دونوں کو بلوا کر قسمیں کھلواتا ہے پھر قاضی ہی دونوں میں تفریق کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے، اذا التعنا لا تقع الفرقة حتی یفرق القاضی بینهما (ایضاً صفحہ ۳۹۸) اس تفریق کے لیے زوجین کی رضامندی بھی ضروری نہیں۔ وان لم یرضیا بالفرقة (حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸، حاشیہ ۹) بلکہ اگر تفریق قاضی سے پہلے دونوں میں سے کوئی ایک مرجائے تو حق وراثت باقی رہے گا: لومات احدهما بعد الفراغ عن قبل تفریق الحاکم توارثا (عنایہ ایضاً حاشیہ ۵)

عنہ کا مطلب ہے شوہر کا نامرد ہونا۔ اس کا مسئلہ حنفیہ کے نزدیک یہ ہے: واذا کان الزوج عنینا اجله الحاکم سنة فان وصل الیها فبها والا فرق بینهما (ایضاً صفحہ ۴۰۰)

ایلا کے بارے اگر شوہر رجوع اور طلاق دونوں سے انکار کرے تو فان مالکا قال یطلق القاضی علیه قال اهل الظاهر یحبس حتی یطلقها بنفسه (احکام القرآن للجصاص جلد ۲ صفحہ ۱۰۱) پس کوئی وجہ نہیں کہ خلع کے معاملے میں اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی اسے قید نہ کرے اور پھر بھی نہ مانے تو وہ اپنے اختیار سے طلاق یا فسخ کے ذریعے تفریق نہ کرے۔

خلیج ایسی حاصل ہو گئی ہے کہ پاٹی نہیں جا سکتی)

۲- یا خاوند خلع دینے سے انکار کر سکتا ہے؟

۳- اور اگر وہ انکار کرے تو کیا قاضی یا عدالت شرط قرآنی کے متعلق تسلی کرنے کے بعد تفریق زوجین کا حکم دے سکتی ہے یا نہیں؟

جواب

عورت کو اگر نکاح کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تو نکاح باقی رکھنے پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔[1] اگر مرد طلاق دے تو اسے اپنا دیا ہوا مال چھوڑنا پڑتا ہے اسی طرح اگر عورت طلاق کی خواہش مند ہو تو اسے لیا ہوا مال واپس کرنا پڑتا ہے۔ اسی کو خلع کہتے ہیں یعنی ایسی طلاق کو خلع کہتے ہیں جو مال کے عوض حاصل کی جاتی ہے۔ قرآن میں اس کا ذکر یوں ہے،

فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت به (۲ : ۲۲۹)

اگر تمھیں اے حاکمو[2] یہ اندیشہ ہو کہ وہ دونوں (زوجین) حدود اللہ کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو بیوی جو کچھ دے کر اپنی جان چھڑا لے اس میں ان دونوں (زوجین) پر کوئی گناہ نہیں۔

اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ فدیہ دے کر اپنی جان چھڑانا عورت کا ایک جائز حق ہے۔ اگر یہ جائز حق نہ ہوتا تو یہ کیوں کہا جاتا کہ اس میں کوئی گناہ نہیں؟ بلاشبہ اس میں کراہت موجود ہے[3]۔ لیکن کراہت تو اس طلاق میں بھی ہے جو مرد خود دیتا ہے[4] اور اس کے باوجود طلاق دینا مرد کا حق ہے۔ زوجین کے درمیان جدائی کوئی اچھی چیز نہیں لیکن بعض مواقع ایسے بھی ہوتے ہیں جہاں یہ جدائی دونوں کے لیے بہتر ہوتی ہے جب کہ دونوں کی زندگی باہمی ناموافقت کی وجہ سے عذاب بنی ہوئی ہو۔ ایسے ہی موقع کے

---

[1] یہ اور بعد کے تمام حواشی مضمون کے آخر میں دیکھیے۔

لیے ارشاد قرآنی ہے۔

وان یتفرقا یغن اللہ کلا من سعتہ (۴: ۱۳۰)

اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو خدا اپنی کشادگی سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔

بیوی اگر کسی ناقابلِ اظہار یا قابلِ اظہار ناپسندیدگی کی وجہ سے اپنے شوہر کے ساتھ گزارا کرنا نہ چاہے تو اسے زبردستی روکے رکھنا "ضرار" اور ایک قسم کا "حبسِ بے جا" بھی ہے اور قرآن نے اس سے ان الفاظ میں منع کیا ہے:

فلا تمسکوھن ضرارا لتعتدوا (۲: ۲۳۰)

انھیں محض نقصان پہنچانے کے لیے مت روکے رکھو۔

ضرار سے بچنا مرد کی طرح عورت کا بھی ایک حق ہے اور اس پر کوئی جبری پابندی نہیں لگائی ہے۔ مصالحت و مفاہمت کی کوشش تو ضرور کرنی چاہیے جیسا کہ قرآن نے کہا ہے:

وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا۔۔۔۔ (۴: ۳۵)

(اگر تمھیں (اے حکام) دونوں کے درمیان ضد پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے خاندان سے اور ایک حَکَم عورت کے خاندان سے مقرر کرو۔۔۔۔

لیکن اگر یہ کوشش ناکام ہو تو عورت کا یہ حق سلب نہیں ہوتا۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے مندرجہ ذیل احادیث پر غور کرنا چاہیے:

(عن ابن عباس) ان جمیلۃ بنت سلول اتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقالت ما اعتب علی ثابت فی دین ولا خلق ولکن اکرہ الکفر

فی الاسلام لا اطیقہ بغضاً۔ فقال لہا النبی صلی اللہ علیہ وسلم:
اتردین حدیقتہ۔ قالت: نعم۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقبل الحدیقۃ و تطلقہا تطلیقۃ (نسائی جلد ۲ صفحہ ۸۹ وبخاری جلد ۲ صفحہ ۷۹۴)۔

جمیلہ بنت سلول نے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ: مجھے (اپنے شوہر) ثابت سے دین یا کردار کی کوئی شکایت نہیں لیکن میں اسلام میں آنے کے بعد نافرمانی کو پسند نہیں کرتی۔ میں اپنی نفرت کو برداشت نہیں کر سکتی۔ حضورؐ نے فرمایا: کیا تم اس کا باغ (جو مہر میں ملا ہے) اسے واپس کر دو گی؟ اس نے کہا ہاں۔ حضورؐ نے فرمایا: (اے ثابت) باغ قبول کر لو اور اس کو ایک طلاق دے دو۔

یہاں یہ امر غور طلب ہے کہ بیوی کو اپنے شوہر سے نہ کوئی دینی شکایت ہے نہ اخلاقی۔ گویا وہ ہر لحاظ سے غنیمت ہے لیکن وہ کسی وجہ سے نفرت کرتی ہے جسے اس روایت میں نہیں بتایا گیا البتہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ثابت پست قد اور بدصورت تھے۔ پھر یہاں اس کا بھی کوئی ذکر نہیں کہ حضورؐ نے نفرت کی وجہ پوچھی ہو یا مفاہمت کی کوئی کوشش فرمائی ہو۔ حضورؐ کی فراست نے نفرت کی وجہ بھی سمجھ لی ہو گی اور یہ بھی بھانپ لیا ہو گا کہ مفاہمت کی کوئی کوشش سود مند نہیں ہو گی۔ روایت میں اس کا ذکر نہیں کہ حضورؐ نے اسے باز رکھنے کی کوئی سعی فرمائی۔ پس ایک ہی راہ نظر آئی کہ شوہر طلاق دے دے اور زوجہ باغ واپس کر دے۔

جمیلہ کی نفرت بالکل طبعی تھی اور ایسی حالت میں محض ثواب کی خاطر مجبور کرنا اس کی ازدواجی زندگی کی خوش گواریوں کے منافی تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ خلع عورت کا

ایک جائز حق نہ ہوتا تو حضورؐ جمیلہ کو اس سے روکتے یا اظہار ناراضی فرماتے۔

جناب ثابت بھی آخر انسانی جذبات رکھتے تھے چنانچہ انھوں نے مال کے ذریعے پھر عورت کا انس و محبت خریدنے کی کوشش کی۔ ایک دوسری عورت (حبیبہ) سے شادی کی اور مہر میں پھر اسی طرح باغ دیا۔ اس کا انجام کیا ہوا وہ دوسری روایت میں سنیے،

(عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال) کانت جبیبۃ بنت سھل تحت ثابت بن قیس بن شماس وکان رجلا دمیما فقالت یا رسول اللہ واللہ لولا مخافۃ اللہ اذا دخل علی لبصقت فی وجھہ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتردین علیہ حدیقتہ فقالت نعم۔ قال فردت علیہ حدیقتہ قال ففرق بینھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ابن ماجہ جلد ا صفحہ ۲۲۲)

حبیبہ بنت سہل ثابت بن قیس بن شماس کی بیوی تھی۔ ثابت پست قد اور بدشکل تھے۔ اس نے کہا یا رسول اللہ! خدا کی قسم اگر خوف خدا دامنگیر نہ ہوتا تو جس وقت وہ میرے پاس آتا ہے میں اس کے منہ پر تھوک دیتی۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کیا تم اس کا باغ واپس کردوگی۔ عرض کیا "ہاں"۔ چنانچہ اس نے انھیں ان کا باغ واپس کردیا اور حضورؐ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کرادی۔

یہ دو الگ الگ واقعے ہیں اور دونوں ہی جناب ثابت سے متعلق ہیں۔ پہلے واقعے میں حضورؐ نے ایک طلاق دینے کا حکم دیا اور دوسرے میں تفریق کرادی یعنی نکاح فسخ کردیا۔ حضورؐ کے یہ دونوں فیصلے بہ حیثیت جج کے تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اگر عورت افتدا (خلع) چاہے تو قاضی کو یہ حق حاصل ہے کہ خواہ وہ شوہر کو طلاق دینے

کا حکم دے یا فسخ نکاح کرکے تفریق کرادے۔ خصوصاً اگر شوہر طلاق دینے سے انکار کرے تو قاضی کو بطریق اولیٰ حق فسخ و تفریق ہوتا ہے۔ اگر اسے حکمین مقرر کرنے میں مفاہمت کی صورت نظر آئے تو یہ کرے اور اگر اسے یہ محسوس ہو کہ معاملہ انتہا تک پہنچ چکا ہے اور حکمین کا تقرر مفید نہ ہوگا تو تفریق بھی کرا سکتا ہے۔

موجودہ دور کے محقق علی خفیف حدیث خلع کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

الیس یستنبط من ھذا الحدیث الصحیح ان یکون القاضی حق المخالعة بین الزوجین اذا رفعت الزوجة امرھا من زوجھا الیه وانھا لا تطیقه بغضاً وان العشرة بینھما لا تستقیم علی ھذہ الحال ولا یمکن اقامة حدود الله معه فیأمرھما القاضی بالمخالعة علی ما اعطاھا من مھر فان استجابا والا قضیٰ بذلك بینھما ونفذ قضاؤہ فیھما اذا رضیت الزوجة بذلك وابی الزوج۔

انی اری الحدیث دالاً علی ذلك۔ اذ لیس فیه ما یدل علی ان امر الرسول بالمخالعة بین ثابت وزوجته کان امر ارشاد وندب لا تجب طاعته۔ کما ذھب الی ذلك بعض الفقھاء اذ لا یترکه الرسول صلعم امر زوجین ترافعا الیه وانتھی بھما الحال الی ھذا الوضع الذی لا یلتئم مع دین ولا خلق دون ان یشرع له علاجا حاسما وقضاءً فاصلا واذا کنت لا اعتر علیه علی ھذا الرأی لفقیه فذلك لا یغیرہ بعد ان صح الحدیث (فرق الزواج فی المذاھب الاسلامیة لعلی خفیف صفحہ ۱۳۵ حاشیہ ۱)۔

کیا اس صحیح حدیث سے مستنبط نہیں ہوتا کہ جب بیوی اپنے شوہر کے

معاملے کو قاضی کے پاس لے جائے اور وہ اس کی عداوت کو برداشت نہ کر سکتی ہو اور اس حالت میں دونوں کی زندگی خوش گوار نہ گزر سکتی ہو اور شوہر کے ساتھ رہنے میں حدود اللہ کا قیام ممکن نہ ہو تو قاضی کو زوجین کے درمیان خلع کرا دینے کا حق حاصل ہے یعنی وہ دونوں کو شوہر کے دیئے ہوئے مہر پر خلع کرانے کا حکم دے۔ اس وقت اگر وہ دونوں مان لیں تو فبہا ورنہ قاضی ان دونوں کے درمیان فیصلہ کر دے اور ان دونوں پر اپنا فیصلہ نافذ کر دے جب کہ زوجہ تو اس خلع پر راضی ہو اور شوہر انکار کر دے۔

ثابت اور ان کی بیوی کے درمیان خلع کرا دینے کے متعلق موجود ہے وہ محض ایک نصیحت یا مستحب چیز نہیں جس کی اطاعت ضروری نہیں ہوتی جیسا کہ بعض فقہاء کا مسلک ہے۔ ظاہر ہے کہ جب زوجین نے اپنا معاملہ حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا اور صورت حال اس انتہا کو پہنچ گئی تھی کہ دین اور خلق کے باوجود صلح کا امکان نہ تھا تو اس کو حضورؐ بغیر ایک فوری اور قطعی فیصلے کے معلق نہیں چھوڑ سکتے تھے اور جب اس کے خلاف کسی فقیہ کا کوئی علم نہیں تو ایک صحیح حدیث کے ہوتے ہوئے اس استنباط کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

یہاں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ جب حکمین کا تقرر قاضی کی توثیق سے ہوتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان حکمین سے اس قاضی کے اختیارات یقیناً زیادہ ہوتے ہیں۔ اب خود ان حکمین کے کیا اختیارات ہیں اس کے متعلق فقہاء کی دو رائیں ہیں۔ بعض ان حکمین کو تفریق کا حق نہیں دیتے اور بعض یہ حق دیتے ہیں۔ علی خفیف بھی اسی کے حامی ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

وخالف فی ذلک فریق من الفقہاء الی انہما حاکمان علیہما ان یصلحا بین الزوجین ما دام یا الی الاصلاح وسیلۃ۔ فاذا تعذر الاصلاح بینہما فرقا بینہما علی عوض او بغیر عوض علی حسب الاحوال رضی الزوجان بذلک ام ابیا وعلی القاضی امضاء حکمہا وانفاذہ ازالۃ للخلاف بین الزوجین۔ وھذا الرأی مروی عن سعید ابن مسیب وسعید ابن جبیر وابی سلمۃ و الشعبی والنخعی وھو مذھب مالک والاوزاعی واسحاق واحد قولی الشافعی ورروایۃ اخری عن احمد وھو قول اھل المدینۃ وھو الصحیح (ایضاً صفحہ ۲۰۷)

(فقہاء کے ایک گروہ نے اس مسئلے میں (حکمین کو تفریق کا حق نہ دینے کی) مخالفت کی ہے۔ اس گروہ کا کہنا ہے کہ زوجین پر حکمین کا فیصلہ نافذ ہوگا جب تک وہ مصالحت کا ذریعہ نکال سکیں گے لیکن اگر مصالحت نہ ہو سکے گی تو دونوں میں تفریق کرا دیں گے خواہ معاوضۂ طلاق دلوا کر ہو یا اس کے بغیر حالات کا جیسا تقاضا ہوگا ویسا کریں گے عام اس سے کہ زوجین اس تفریق سے راضی ہوں یا انکار کردیں۔ پھر حکمین کے اس فیصلے کو نافذ کرنا قاضی کی ذمہ داری ہوگی تاکہ زوجین کا باہمی اختلاف دور کیا جا سکے۔ سعید ابن مسیب، سعید ابن جبیر، ابوسلمہ شعبی، نخعی، مالک، اوزاعی اور اسحاق سے بھی مروی ہے اور ایک روایت کے مطابق شافعی اور احمد بن حنبل بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ اہل مدینہ کا بھی یہی قول ہے اور یہی صحیح ہے۔

اس کے بعد علی خفیف اس کی عقلی و نقلی تائید میں یوں لکھتے ہیں:

. . . . ولان من القواعد المقررة فی الشریعۃ الاسلامیۃ نفی الضرر و رفع الضرار ۔ و ذلک الی الحاکم اذا لم یتیسر رفعہا الا بقضائہ ۔ و قد بعث عثمانُ ابن عباس و معاویہ حکمین بین عقیل ابن ابی طالب و زوجتہ فاطمۃ بنت عتبۃ فقال لہما ان رأیتما ان تفرقا فرقتما و کلک و ردعن علی انہ بعث حکمین بین زوجین و قال لہما علیکما ان رأیتما ان تفرقا فرقتما و ان رأیتما ان تجمعا جمعتما ۔ فجعل عثمان و علی الحکم الی الحکمین و لم یعرف لہما من الصحابۃ مخالف ۔ و انما عرف الخلاف فی زمن التابعین (ایضاً صفحہ ۳۰۰) ۔

کیونکہ ضرر اور ضرار کو دور کرنا شریعت اسلامیہ کے مقررہ قواعد میں داخل ہے اور اس کا تعلق قاضی سے ہے جب کہ اس کے فیصلے کے بغیر وہ ضرر یا ضرار دور نہ ہو سکتا ہو۔ عقیل ابن ابی طالب اور ان کی بیوی فاطمہ بنت عتبہ کے جھگڑے کو دور کرنے کے لیے حضرت عثمان نے ابن عباس اور معاویہ کو حکم مقرر کیا اور کہا کہ اگر تم دونوں مناسب سمجھو تو ان دونوں میں تفریق کرا دو۔ اسی طرح حضرت علی کا بھی واقعہ ہے کہ ایک میاں بیوی کے لیے آپ نے دو حکم مقرر کرتے ہوئے کہا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ اگر ان دونوں کے درمیان تفریق مناسب سمجھو تو تفریق کرا دو اور مصالحت مناسب نظر آئے تو مصالحت کرا دو۔ غرض حضرت عثمان اور حضرت علی نے فیصلے کو حکمین ہی کے سپرد کر دیا اور صحابہ میں سے کسی ایک سے بھی اس کی مخالفت منقول نہیں۔ یہ اختلاف تو تابعین کے دور میں شروع ہوا۔

یہاں یہ نکتہ پیش نظر رہے کہ صحابہ کے دور تک حکمین کے اختیار تفریق میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ یہ اختلاف تابعین کے دور میں شروع ہوا۔

میرے نزدیک فقہاء کی ان دونوں رایوں میں کوئی خاص فرق نہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے کہ اگر قاضی حکمین کو صرف مصالحت کی کوشش کرنے پر مامور کرے تو ان کا اختیار صرف مصالحت کی کوشش تک محدود رہے گا۔ اور قاضی اگر تفریق کا اختیار بھی سونپ دے تو حکمین تفریق بھی کرا سکتے ہیں (اگر حکمین کسی ایک بات پر متفق نہ ہوں تو قاضی اپنی صوابدید سے کام لے گا)۔ حضرت عثمان اور حضرت علی نے حکمین کو مصالحت اور تفریق دونوں کا اختیار دیا تھا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ حکمین کو اتنا ہی اختیار رہے گا جتنا کہ قاضی انھیں دے۔ بہر حال فقہاء کا ایک قابلِ اعتماد گروہ خود حکمین کو جب تفریق کا حق دیتا ہے تو قاضی کا یہ اختیار بطریق اولی ثابت ہو جاتا ہے۔

حضرت سعید بن جبیر (تابعی) یہی رائے رکھتے ہیں کہ:

(ومن طریق حماد بن سلمة عن ایوب السختیانی عن سعید بن جبیر قال) لا یکون الخلع الاحتی یعظها فان اتعظت والا ضربها فان اوسطت والا ارتفعا الی السلطان فیبعث حکماً من اهلها وحکما من اهله یرفع کل واحد منهما الی السلطان ما یسمع من صاحبه۔ فان رأی ان یفرق فرق وان رای ان یجمع جمع (المحلی لابن حزم جلد ۱۰ صفحہ ۲۲۷)۔

خلع اس وقت ہوگا جب شوہر عورت کو پہلے پند و نصیحت سے سمجھائے۔ وہ پند و نصیحت قبول کر لے تو فبہا، ورنہ اسے ضرب لگائے۔ وہ مان جائے تو فبہا ورنہ وہ دونوں سلطان (عدالت، امیر، یا قاضی) کی طرف

رجوع کریں گے۔ پھر سلطان دونوں کے خاندان سے ایک ایک حکم مقرر کرے گا۔ پھر ہر ایک حکم اپنے موکل سے جو کچھ سنتا رہا اسے سلطان تک پہنچائے گا۔ اس کے بعد سلطان تفریق مناسب سمجھے گا تو تفریق کرا دے گا اور ملا دینا مناسب سمجھے گا تو ملا دے گا۔

واقعہ یہ ہے کہ عورت اپنے آپ کو کسی ضرر سے بچانے کے لیے مطالبہ طلاق کا حق رکھتی ہے اور قاضی اس کا اختیار رکھتا ہے کہ اسے شوہر سے طلاق دلوائے۔ اور اگر شوہر طلاق نہ دے تو قاضی خود بھی طلاق دے سکتا ہے۔

مالک کا مذہب اس مسئلے میں بالکل واضح ہے۔ ملاحظہ ہو:

وخالف فی ذلک المالکیۃ فذھبوا الی ان الزوجۃ ان تطلب التفریق اذا اضرھا الزوج فاساء معاملتھا بان قطع کلامہ عنھا او ولّی وجھہ عنھا فی الفراش او ضربھا او شتمھا شتما مقذعا او اکرھھا علی محرم او ھجرھا بغیر تادیب مع اقامتہ فی البلد او اقرا امرأۃ علیھا او منعھا من زیارۃ والدیھا او اخذ مالھا او اتصل شتما لھا وما الی ذلک امام القاضی وطلبت منہ ان یتفرق بینھما لھذا الضرر۔ فان اثبتت ان زوجھا اتی ذلک معھا ولو مرۃ واحدۃ علی المشھور فی المذھب طلقھا القاضی طلقۃ بائنۃ لخبر "لاضرر ولاضرار"

(ایضاً صفحہ ۳۰۸)

مالک نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے یہ راہ اختیار کی ہے کہ اگر شوہر بیوی کو کچھ تکلیف پہنچائے اور اس کے ساتھ بُرا برتاؤ کرے مثلاً بول چال بند کر دے یا بستر پر اس سے بے رخی برتے یا اسے مارے

پیٹے یا فحش گالیاں دے یا کسی ناجائز کام پر مجبور کرے یا بلا کسی تادیبی غرض سے تنہا چھوڑ دے باوجود اس کے کہ دونوں ایک ہی شہر میں رہتے ہوں یا کسی دوسری عورت کو اس پر ترجیح دے یا اس کے والدین کی ملاقات سے اسے روکے یا اس کے مال پر قبضہ کرے یا اسے مسلسل گالیاں دیتا رہے اور ایسی نوع کی ایسی تکلیفیں پہنچائے جن کا عام طور پر اس طبقے کے لوگوں میں رواج نہ ہو اور وہ نہ اس پر صبر کر سکتی ہو، نہ اس حالت میں اس کے ساتھ رہ سکتی ہو تو ان تمام صورتوں میں وہ اپنا دعویٰ قاضی کے پاس لے جائے گی اور وہ اس سے اس قسم کے ضرر کی بنا پر تفریق کا مطالبہ کرے۔ پھر اگر وہ یہ ثابت کر دے کہ شوہر نے اس کے ساتھ ایک بار بھی اس قسم کا سلوک کیا ہے تو مالکیوں کا مشہور مذہب یہ ہے کہ قاضی اس کو ایک بائنہ طلاق دے دے گا کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ "لاضرر ولا ضرار" (نہ نقصان اٹھاؤ نہ نقصان پہنچاؤ) ایضاً صفحہ ۳۰۸۔

قاضی کو خلع کے موقعے پر تفریق کا حق دینے میں بعض فقہاء نے عُنّت (نامردی) اور ایلا وغیرہ پر بھی قیاس کیا ہے اور یہ قیاس ہمارے نزدیک بالکل صحیح ہے سعید بن جبیر کا مسلک جو اوپر مذکور ہے ذرا مختلف الفاظ میں نقل کرنے کے بعد جصاص کہتے ہیں :

قال ابوبکر هذا نظیر العنین والمجبوب والایلاء فی باب ان الحاکم هوالذی یتولی النظر فی ذلک (احکام القرآن للجصاص جلد ۲ صفحہ ۲۳۱)

ابوبکر کہتے ہیں کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسی نامرد مقطوع الذکر اور ایلاء

جیسے معاملات کی ہے جن میں حاکم ہی غور و فکر کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔

گویا خلع کے بارے میں قاضی کے اختیارات کو نامرد، مقطوع الذکر اور ایلاء بلکہ لعان اور مفقود الخبر پر بھی قیاس کیا جا سکتا ہے، اور اس قیاس میں ہم منفرد نہیں۔ سعید بن جبیر اور ابوبکر بھی یہی مسلک رکھتے ہیں۔

اب آیئے ایک سرسری نظر ایلاء، لعان، عُنّت اور مفقود الخبر پر بھی ڈال کر دیکھ لیں کہ ان مسائل میں فقہاء نے قاضی کے کیا اختیارات تسلیم کیے ہیں۔ اس سے خلع کے معاملے میں قاضی کے اختیارات کو قیاس کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

ایلاء

زوج اپنی زوجہ کے پاس نہ جانے کی قسم کھالے تو اسے چار ماہ کے اندر اپنی قسم توڑ کر کفارہ ادا کر لینا چاہیے ورنہ چار ماہ ختم ہونے کے بعد ہی طلاق بائن ہو جائے گی لیکن یہ تفریق امام شافعی کے نزدیک از خود نہیں ہوگی بلکہ:

تبین بتفریق القاضی لانہ مانع حقہا فی الجماع فینوب القاضی منابہ فی التسریح کما فی الجب والعنۃ (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۱)

وہ قاضی کی تفریق کے بعد بائنہ ہو گی کیونکہ وہ عورت کے حق جماع کو روکتا ہے لہذا قاضی اس جدائی میں شوہر کا قائم مقام ہو جائے گا جس طرح جبّ اور نامردی کی صورت میں ہوتا ہے۔

یہاں مالکیہ کا مذہب بھی سن لیجیے:

فان امرہ الحاکم بالرجوع وامتنع، امرہ بان یطلقہا۔ فان امتنع طلق علیہ الحاکم طلقۃ واحدۃ رجعۃ وقیل لا یطلق الحاکم بل یامرہ الحاکم الزوجۃ ان تطلق نفسہا ثم یحکم بہ ... فان لم یوجد حاکم فانہ تطلق علیہ جماعۃ المسلمین والفقہ

علی المذہب الاربعۃ جلد۴ صفحات ۴۸۰ و ۴۸۱)

اگر قاضی ایلاء کرنے والے شوہر کو رجوع کا حکم دے اور وہ رجوع نہ کرے تو وہ اسے طلاق دینے کا حکم دے گا۔ لیکن اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو قاضی خود اسے ایک رجعی طلاق دے دے گا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ قاضی خود طلاق نہ دے گا بلکہ زوجہ کو حکم دے گا کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے، پھر قاضی اس پر طلاق کا حکم لگا دے گا ..... اگر کہیں قاضی موجود نہ ہو تو مسلمانوں کی ایک جماعت اسے طلاق دے دے گی۔

ذرا حنابلہ کا مسلک بھی غور سے سنیے:

فان ابی ان یجامعہا امرہ الحاکم بالطلاق فان لم یطلق طلقھا الحاکم علیہ واحدۃ او اثنتین او ثلاثا لان الحاکم قائم مقام الزوج فی ھذہ الحالۃ فھو یملک الطلقات الثلاث .... واذا قال الحاکم فسخت نکاحکما فانہ یصح ویکون ذلک فسخا لا طلاقا۔ ومثل ذلک ما اذا قال فرقت بینکما۔ ولیس للحاکم ان یامرہ بالطلاق الا اذا طلبت المرأۃ منہ ذلک (ایضاً صفحات ۴۸۷ و ۴۸۸)۔

(اگر ایلاء کرنے والا شوہر چار ماہ سے پہلے قاضی کے حکم کے مطابق) اپنی زوجہ سے ہم آغوش ہونے سے انکار کرے تو قاضی اسے طلاق دینے کا حکم دے گا۔ اگر وہ طلاق بھی نہ دے تو اس کی طرف سے خود قاضی ایک یا دو یا تین طلاقیں دے دے گا۔ کیونکہ اس صورت میں قاضی شوہر کا قائم مقام ہے اور وہ تینوں طلاقوں کا مالک ہے۔ اگر قاضی یہ کہہ دے کہ میں نے تم دونوں کا نکاح فسخ کر دیا تو یہ بھی صحیح ہو گا لیکن یہ فسخ ہو گا طلاق نہیں ہو گی۔ اور یہی صورت (فسخ) ہو گی اگر قاضی یہ کہے گا کہ میں نے تم دونوں کے درمیان

تفریق کر دی، اور قاضی زوج کو طلاق کا حکم اس وقت دے گا جب اس سے عورت اس کا مطالبہ کرے۔

آپ نے قاضی کے اختیارات ملاحظہ فرمائیے؟ وہ شوہر کو رجوع کا ورنہ طلاق کا حکم دے سکتا ہے۔ خود بھی ایک سے لے کر تین طلاقیں دے سکتا ہے۔ عورت کو یہ بھی حق دے سکتا ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو طلاق دے دے، اور اگر قاضی کا وجود ہی نہ ہو تو مسلمانوں کی کسی معتبر جماعت کو بھی طلاق دینے کا حق ہوتا ہے۔

یہ ہیں مختلف ائمہ کے فیصلے ایلاء کے بارے میں۔ ایلاء میں شوہر کو زوجہ سے ناراضی ہوتی ہے لیکن عورت کا حق مارا جانا شریعت کو گوارا نہیں۔ پس اگر قاضی ہی اس مشکل کا حل پیدا نہ کر سکے تو وہ کس مرض کی دوا ہو گا۔ اب سوال یہ ہے کہ ایلاء میں جب قاضی کو یہ اختیار ہے، اور ایسا ہی اختیار طلاق و فسخ کا دوسرے مسائل میں بھی ہے جن کا ذکر آگے ہے، تو خلع کے مسئلے میں اسے کس منطق سے بے اختیار قرار دیا جا سکتا ہے۔

ایلاء کے مسلک میں مالکیوں اور ظاہریوں کا اختلاف ہے۔ دونوں کی دلیلیں بھی سن لیجیے:

فان مالکا قال یطلق علیہ القاضی وقال اھل الظاھر یحبس حتی یطلقھا بنفسہ ....

فمن راعی الاصل المعروف فی الطلاق قال لا یقع طلاق الا من الزوج۔ ومن راعی الضرر الداخل من ذلک علی النساء یطلق السلطان۔ وھو نظر الی المصلحۃ الماضیۃ ھذا ھو الذی یعرف بالقیاس المرسل۔ والمنقول عن مالک العمل بہ۔ وکثیر من الفقہاء یابی ذلک (بدایۃ المجتہد جلد ۲ صفحہ ۱۰۱)

امام مالک تو کہتے ہیں کہ قاضی ہی شوہر کی بجائے اسے طلاق دیدے گا اور اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ شوہر کو اس وقت تک قید میں رکھا جائے گا جب تک کہ وہ خود طلاق نہ دے دے .....

جو مسلک طلاق کی مشہور بنیاد کی رعایت کرتا ہے اس کا کہنا ہے کہ طلاق زوج ہی کی طرف سے ہو سکتی ہے، اور جس نے اس نقصان کی رعایت کی جو اس کی وجہ سے عورتوں کو پہنچتا ہے اس کا کہنا ہے کہ سلطان اس کی طرف سے طلاق دے دے وہ مصلحت عامہ کا لحاظ کرتا ہے اور اسی کو "قیاس مرسل" کہا جاتا ہے۔ امام مالک سے اس پر عمل منقول ہے لیکن بہت سے فقہاء کو اس سے انکار ہے۔

لعان

شوہر اپنی زوجہ پر ناجائز تعلق کا الزام لگائے اور کوئی گواہ نہ پیش کر سکے تو قاضی ہی دونوں سے قسمیں کھلواتا ہے۔ پھر قاضی ہی دونوں میں تفریق بھی کرا دیتا ہے۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک اس بارے میں یہ ہے:

اذا التعنا لا وقع الفرقة حتی یفرق القاضی (ایضاً ۳۹۸)۔

جب دونوں لعان کر لیں تو جب تک قاضی ان دونوں میں تفریق نہ کرائے تب تک جدائی واقع نہیں ہوگی۔

اس تفریق کے لیے زوجین کی رضامندی بھی ضروری نہیں:

وان لم یرضیا بالفرقة (عمدة الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد ۲ صفحہ ۱۳۸ حاشیہ ۹)

اگرچہ دونوں (زوجین) جدائی پر راضی نہ ہوں۔

بلکہ اگر قاضی کی تفریق سے پہلے زوجین میں سے کوئی ایک مر جائے تو توارث باقی ہے

گا :

لومات احدهما بعد الفراغ عن التلاعن قبل تفریق الحاکم توارثا (عنایة حاشیه هدایه جلد ۲ صفحہ ۳۹۸ حاشیہ ۵)

لعان ختم ہونے کے بعد قاضی کی تفریق سے پہلے اگر دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو دوسرا وارث ہو گا۔

یہی مسلک امام احمد بن حنبل اور امام سفیان ثوری کا بھی ہے :

لا وقع (الفرقة) الا بحکم حاکم وبه قال الثوری واحمد (بدایة المجتهد جلد ۲ صفحہ ۱۲۱)

قاضی کے فیصلے کے بغیر تفریق نہیں ہو گی۔ ثوری و احمد کا بھی یہی مسلک ہے۔

عُنّہ (نامردی)

اگر شوہر نامرد ہو تو قاضی علاج کے لیے ایک معینہ مدت تک مہلت دے گا۔ اگر وہ جماع پر قادر نہ ہو سکے تو تفریق کرا دے گا :

واذا کان الزوج عِنّینا اجّله الحاکم سنة فان وصل الیها فبها والافرق بینهما (ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۴۰۰)۔

اگر زوج نامرد ہو تو قاضی اسے (علاج کے لیے) ایک سال کی مہلت دے گا۔ پھر اگر اس نے ہم آغوشی کر لی تو فبہا ورنہ ان دونوں میں تفریق کرا دے گا۔

مفقود الخبر

شوہر اگر غائب ہو جائے اور اس کا کوئی پتہ نہ چلے تو ایک خاص مدت تک عورت انتظار کرتی ہے اس کے بعد اسے مردہ فرض کر کے عدتِ وفات گزارتی ہے لیکن مردہ قرار دینا خود عورت کا اختیار نہیں بلکہ :

هل یحتاج ذلك الی القضاء فیه قولان۔ والذی اختارہ فی القنیة وغیرها انه یحتاج ذلك الی القضاء لان موته امر محتمل فمالم ینضم الیه القضاء لایکون حجة (عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ جلد۲ صفحہ ۳۹۳ حاشیہ ۳)۔

آیا یہ معاملہ قضائے قاضی کا محتاج ہے؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ مؤلف "قنیہ" وغیرہ نے جو مسلک اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ قضائے قاضی کا محتاج ہے کیونکہ شوہر کی موت ایک مشکوک بات ہے لہذا جب تک قضا اس میں شامل نہ ہو یہ حجت نہ ہو سکے گی۔

ایک اور چیز بھی غور طلب ہے کہ خلع اور نامردی کے مسئلے میں تو عورت کو مرد سے شکایت ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس لعان اور ایلاء میں مرد کو عورت سے شکوہ ہوتا ہے اب سوال یہ ہے کہ قاضی کو جو اختیارات تین چیزوں ——— عُنّہ، لعان اور ایلاء ——— میں حاصل ہوتے ہیں وہ چوتھی چیز یعنی خلع میں کیوں نہ حاصل ہوں گے۔ اس کے علاوہ ایک نکتہ خصوصی طور پر غور و فکر کا محتاج ہے کہ لعان کے مسئلے میں اگر میاں بیوی دونوں کے دونوں جدائی نہ پسند کرتے ہوں جب بھی قاضی تفریق کرا دیتا ہے" تو خلع میں جب کہ ایک فریق یعنی شوہر جدائی پر راضی نہ ہو اور دوسرا فریق یعنی بیوی جدائی پر اصرار کر رہی ہو تو قاضی کو تفریق کا حق کیوں حاصل نہیں ہو سکتا؟ خصوصاً جب کہ ابن ماجہ کی حدیث جبیبہ میں " ففرق بینهما " رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح الفاظ موجود ہیں۔ (جیساکہ ہم شروع میں نقل کر آئے ہیں)۔ اور سعید بن جبیر کا مسلک بھی خلع کے بارے میں اوپر بتا چکے ہیں)، اور حکمین کو جب قاضی تفریق کا اختیار دے سکتا ہے (جیساکہ سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابوسلمہ، شعبی، نخعی، مالک، اوزاعی اور اسحاق کا مسلک اوپر مذکور ہو چکا ہے اور شافعی و احمد کا بھی ایک قول ایسا ہی موجود ہے اور اہل مدینہ کا اس پر عمل رہا ہے) تو خود

قاضی اس حق تفریق سے کیونکر محروم رہ سکتا ہے؟

لہ ورنہ بریرہ کو مغیث کے ساتھ رہنے پر حضورؐ مجبور کرتے۔ بخاری، ابو داؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں یہ مفصل واقعہ موجود ہے۔

لہ بیشتر مفسرین نے اس کا مخاطب حکام ہی کو مانا ہے مثلاً احکام القرآن للجصاص جلد ۲ صفحہ ۲۳۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ صفحہ ۳۰۴۔ معالم التنزیل جلد ۱ صفحہ ۴۲۴ اور تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۴۲۵ وغیرہ۔

لہ المختلعات ھن المنافقات (خلع لینے والی عورتیں منافق ہوتی ہیں) نسائی جلد ۲ صفحہ ۸۸ اور ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۱۷)

لہ ابغض الحلال الی اللہ الطلاق (جائز باتوں میں خدا کے نزدیک سب سے زیادہ قابل نفرت چیز طلاق ہے) ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۹۲، و ابن ماجہ جلد ۱ صفحہ ۶۵۰)۔

لہ دیکھیں حاشیہ نمبر ۱

لہ بخاری میں فرّق کی بجائے فارق ہے معنی وہی ہیں۔

لہ حکمین کے اختیارات کی وسعت کا اس سے اندازہ کیجیے کہ وہ نہ معاوضۂ طلاق دلوانے کے پابند ہیں نہ زوجین کی رضامندی کے۔ کیا اس سے قاضی کے اختیارات کا اندازہ نہیں ہوتا جو خود حکمین کو اتنے وسیع اختیارات دے سکتا ہے۔

لہ قرآن نے ضرب سے پہلے ایک اور زینہ رکھا ہے اور وہ ہے خوابگاہ میں تنہا چھوڑنا، غالباً اصل عربی عبارت میں یہ لفظ طبع ہونے سے رہ گیا ہے۔

لہ ابن ماجہ جلد صفحہ ۱۴۸۔

نلہ اس کے معنی ہیں مقطوع الذکر ہونا۔

للہ جیسا کہ عمدۃ الرعایۃ کی مذکورہ بالا عبارت (وان لم یرضیا بالفرقۃ) سے واضح ہے۔

ماخذ و مراجع

۱۔ قرآن حکیم	....
۲۔ تفسیر ابن کثیر	طبع مصر ۱۳۶۷ھ
۳۔ تفسیر خازن	طبع مصر سنہ ندارد
۴۔ معالم التنزیل	طبع مصر سنہ ندارد
۵۔ صحیح بخاری	طبع دہلی ۱۳۷۵ھ
۶۔ ترمذی مع تحفۃ الاحوذی	طبع دہلی ۱۳۴۶ھ
۷۔ سنن نسائی	طبع کراچی سنہ ندارد
۸۔ سنن ابن ماجہ	طبع مصر ۱۳۷۳ھ
۹۔ المحلّٰی لابن حزم	طبع مصر ۱۳۵۲ھ
۱۰۔ ہدایہ للمرغینانی	طبع دہلی ۱۳۷۵ھ
۱۱۔ شرح وقایہ مع عمدۃ الرعایہ	طبع دہلی ۱۳۳۷ھ
۱۲۔ احکام القرآن للجصاص	طبع مصر ۱۳۴۷ھ
۱۳۔ بدایۃ المجتہد للقرطبی	طبع قاہرہ ۱۳۸۱ھ
۱۴۔ الفقہ علی المذاہب الاربعۃ للجزیری	طبع قاہرہ ۱۳۵۷ھ

۱۵۔ فُرَقُ الزواج فی المذاہب الاسلامیۃ لعلی خفیف ۔ طبع مصر سنہ ندارد۔